پروفیسر عابد صدیق

غزل

اب آ ہی گئے ہیں تو کوئی بات ہی ہو جائے
اس دشمنِ ایماں سے ملاقات ہی ہو جائے

اک مجمعِ رندانِ صفا کیش بہم ہے
کچھ تذکرہ پیرِ خرابات ہی ہو جائے

یکسانیٔ حالات کسی طور تو ٹوٹے
جس بات سے دل ڈرتا ہے وہ بات ہی ہو جائے

ٹھہری ہے کڑی دھوپ زمانوں سے سروں پر
گر صبح مقدر میں نہ تھی، رات ہی ہو جائے

ہر صورت تعزیر پہ خوش ہوں کہ مرا جرم
آئینۂ آئینِ مکافات ہی ہو جائے

اقوال ترے ملنے نہ ملنے میں کئی ہیں
تو بول کہ تطبیقِ روایات ہی ہو جائے

اس شہر خرابی سے نکل چلئے کہ عابد
اچھا ہے ذرا سیرِ مضافات ہی ہو جائے